''غنچہء تبسم'' کے دیباچوں پر ایک نظر

نیاز مندان لاہور

حال ہی میں تمکین کاظمی صاحب کے مضامین کا مجموعہ موسوم بہ غنچہء تبسم حیدر آباد دکن سے شائع ہوا ہے کتاب کے شروع میں پانچ دیباچے ہیں۔ ایک دیباچہ کاظمی صاحب کا اپنا لکھا ہوا ہے۔ باقی چار دیباچے چار دیگر مشاہیر روزگار کے قلم سے ہیں۔

کچھ عرصہ سے ہم دیکھ رہے ہیں کہ دیباچوں کا مرض ہندوستان میں بڑھ رہا ہے۔ ملا کتاب شائع کرتا ہے تو حاجی اس پر دیباچہ لکھتا ہے۔ حاجی قلم اٹھاتا ہے تو ملا اس کا تعارف کراتا ہے۔ مطلب اس سے زیادہ کچھ نہیں ہوتا کہ من ترا ملا بگویم تو مرا حاجی بگو یہاں تو خیر کہا جا سکتا ہے کہ ملک میں ابھی تک جہلا کی کثرت ہے اور ہمارے اہل قلم اتنی دقیق باتیں لکھتے ہیں کہ جب تک ایک مصنف کے نکات اسی پائے کا دوسرا مصنف بجز داشاعت لوگوں کے سامنے حل کر کے نہ رکھ دے بنی نوع انسان کی ایک بہت بڑی تعداد اس کے فیض سے محروم رہ جاتی ہے۔ لیکن غنچہء تبسم کے ایک نسخے کے ہمراہ چار چار حکمائے زبان کا پرچہ ترکیب ارسال کرنا زیرے کے منہ میں اونٹ کے برابر ہے۔ تمکین کاظمی صاحب کے نام اور ان کے ادبی کارناموں سے ہندوستان کا ہر پڑھا لکھا آدمی کم و بیش واقف ہے کیا ان کی اب یہ حالت ہوگئی ہے کہ جب تک چار آدمی انہیں کندھا نہ دیں وہ نقل و حرکت نہیں کر سکتے؟

اور پھر دیباچے بھی ایسے کہ ان سے نہ تو تمکین کاظمی صاحب کی شام سخن طرازی میں کوئی اضافہ ہوتا ہے نہ دیباچہ نویسوں کی شان سخن فہمی دوبالا ہوتی ہے البتہ فطرت انسانی

کے اس اہم اصول پر روشنی ضرور پڑتی ہے کہ تا مرد سخن نگفتہ باشد۔ عیب و ہنرش نہفتہ باشد۔ یہ شروع شروع میں شیخ سعدی کی آڑ ہم نے اس لیے لی کہ ہم بہر حال ناظرین و قارئین کے کثیر التعداد گروہ کے چند غیر معروف افراد ہیں اور دیباچہ نویس حضرات بہر حال اہل قلم لہٰذا خدا کے بعض برگزیدہ بندوں میں سے ہیں اور جو بات اس شعر میں شیخ سعدی کہہ گئے ہیں ہم اپنے الفاظ میں زیادہ تحقیق، زیادہ زور اور زیادہ وضاحت کے ساتھ بیان کرنے والے ہیں۔

پہلا دیباچہ تمکین کاظمی صاحب نے بقلم خود لکھا ہے لیکن اسے دیباچہ نہیں کہا۔ ''سر آغاز'' کا لقب عطا فرمایا ہے۔ دوسرے دیباچے کا نام ''اعلام'' تیسرے کا نام ''تاثر'' چوتھے کا نام ''تعارف'' اور پانچویں کا نام ''تقریب'' ہے۔ (ہمارا ذاتی خیال یہ ہے کہ چھٹا دیباچہ نہ لکھوانے کی وجہ یہ ہے کہ اس کے لیے اس طرح کا مقوی نام نہ مل سکا ہوگا) یہ ثقالت الفاظ کتاب میں جا بجا پائی جاتی ہے۔ فہرست مضامین کو ''مندرجات'' لکھا گیا ہے۔ کتاب کا تفسیری عنوان ''مجموعہ نگارشات فکاہی'' ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ جدت کے پیچھے یوں ہی ہاتھ دھو کے پڑنا تھا تو صفحے کی بجائے ''چہرہء قرطاس'' اور ''ملنے کے پتے'' کی بجائے ''سبیل ہائے سبیل'' اور قیمت کی بجائے ''نذر'' یا ''ہدیہ'' کیوں نہ لکھ دیا۔ اگر محض الفاظ کی دہشت ناکی سے مرعوب کرنا مقصود ہو تو پھر قاموس کے بعد کسی اور کتاب کے لکھنے کی ضرورت ہی کیا ہے البتہ اگر ان عنوانات میں یہ خوبی ہے کہ ہر ایک کے اعداد سے کتاب کی تاریخ نکلتی ہے تو مجبوری ہے۔

ہاں تو ہم تمکین صاحب کے ''سر آغاز'' کا ذکر کر رہے تھے۔ چار دیباچوں میں اپنی تعریف کروانے کے بعد بھی تمکین صاحب کی تسکین نخوت نہ ہوئی تو انھوں نے خود قلم اٹھایا۔ شروع میں تو لکھ دیا کہ ''بنام خداوند بخشائش گر مہرباں'' لیکن اللہ کا نام لینے کے بعد سنبھالا لیا اور تین صفحوں تک انا الحق ہی کہتے چلے گئے۔ جا بجا تاریخوں کا حوالہ ساتھ ساتھ دیا ہے تا کہ زمانہ آئندہ کے مورخ کو کوئی دقت پیش نہ آئے۔ 1927ء میں میں نے یہ کیا۔ 1929ء میں مَیں نے یہ کیا۔ 1930ء میں مصروف زیادہ رہنا پڑا اور اوئی اللہ ''مدیران رسائل نے مضامین کے لیے مارے تقاضوں کے ناک میں دم کر دیا''۔ آگے چل

Scanned with CamScanner

کرماتے ہیں۔۔۔

"بعض مضامین کی زبان پر اکثر احباب کو اعتراض ہوگا کیونکہ اکثر جگہ میں نے عمداً دکنی زبان اور محاورہ استعمال کرنے کی کوشش کی ہے اور خصوصاً ان مضامین میں زیادہ کوشش کی گئی ہے، جو حیدرآباد کے رسائل میں طبع ہوئے ہیں یا جن مضامین میں حیدرآباد دکن کی تمدن و معاشرت کا نقشہ کھینچنے کی کوشش کی گئی ہے۔"

یہ جا بجا کوشش کے لفظ پر ہم نے خط اس لیے کھینچ دیئے ہیں کہ آپ کو معلوم ہو جائے کہ تمکین صاحب نے کتنی دفعہ اور کس خوب صورتی سے کوشش کی ہے مساعی جمیلہ غالباً اسی کو کہتے ہیں۔ اگر تمکین صاحب اسی طرح کی پھپھسی اردو لکھنے پر مصر ہیں تو ہم ان کو یہی مشورہ دیں گے کہ "ترا ملک دکھن تو دکھنچ بول" لیکن تمکین صاحب کی انانیت اس حد تک پہنچ چکی ہے کہ وہ اس طرح کی گل افشانی کے بعد بھی فرماتے ہیں۔

نہ صرف یہ بلکہ کہتے ہیں:

"میری مادری زبان اردو ہے، اور میں نے اردو کا گہرا مطالعہ کیا ہے۔"

"میں چاہتا تو ٹھیٹھ یوپی کے محاورات استعمال کر سکتا تھا"۔

اس تبحر علمی اور اس قادر الکلامی کے باوجود صرف ایک فقرے میں اتنی کوششیں بلکہ آزمائشیں کرنے کی ضرورت پھر آخر کیوں پیش آئی؟

تمکین صاحب نے اپنی کتاب میں کئی دکنی الفاظ استعمال کئے ہیں انکے متعلق دیباچے میں فرماتے ہیں:۔

"بعض احباب کا خیال تھا کہ آخر میں ایک فرہنگ لگائی جائے مگر میں اس بدذوقی کا خلاف ہوں جنھیں ضرورت ہوگی وہ کسی حیدرآبادی سے پوچھ لیں گے یا مجھ سے دریافت کرلیں گے۔"

الحمد اللہ آپ کو بھی خوش مذاقی کا خیال آیا۔ کیوں حضرت ایک کتاب کے چار چار دیباچے بد مذاقی نہیں؟ ہر دیباچے میں اپنی تعریف بلکہ بعض اوقات اپنی ڈائریکٹری تک پھیلا دینا بد مذاقی نہیں؟ ہر نوٹ میں بار بار اپنی طرف اشارہ کرنا بد مذاقی نہیں؟ لیکن جو الفاظ کسی لغت میں نہ پائے جاتے ہوں ان کے معنی بتا دینا بد مذاقی ہے۔ کیا آپ کو کوئی

ایسا دوست نہ ملا جو یہ کام بھی کر دیتا جہاں اتنے گونا گوں و بوقلموں عنوان قائم کئے تھے وہاں وکنیات کا ایک اور عنوان بھی بڑھا دیتے۔ باقی رہی آپ کی خوش مذاقی سو اس کا ایک اور نمونہ ملاحظہ ہو آپ کاتب کے متعلق فرماتے ہیں کہ زود نویس ہیں مگر:۔

''حد درجہ غلط نویس اور بے انتہا غیر پابند نہایت کم سواد ہیں جنھوں نے اِملے کی غلطیوں کے علاوہ جملے کے جملے چھوڑ دیئے۔''

دل کی بھڑاس بھی نکالی تو بے چارے کاتب پر جسے عالم ہونے کا دعوے نہ فاضل ہونے کا اور خدے کے واسطے یہ بتایئے کہ یہ اِملے کی غلطیوں جو آپ نے لکھا ہے تو یہ کاتب نے غلط کتابت کی یا آپ نے دکنی انشے کے اصولوں کے مطابق لکھا اور کاتب صاحب کی کم سوادی کو آخر آپ کہاں کہاں پیش کرتے پھریں گے۔ کیا ارنسٹ کے ترجمے میں ''ایلجبن'' کو ہر جگہ ''ایلگرنان'' لکھنا بھی انہی کے سر تھوپے گا؟ کم سوادی کوئی ایسی خاص صفت نہیں کہ صرف کاتبوں ہی میں پائی جاتی ہو۔

مولانا نیاز فتح پوری کے ''اعلام'' کے متعلق ہم حیران ہیں کہ کیا کہیں اور کیا کسی اور وقت کے لیے اٹھا رکھیں۔ تین مختصر صفحوں کے اندر انھوں نے اپنی کم علمی، پریشان خیالی اور غلط نگاری کی اتنی مثالیں جمع کر دی ہیں کہ اس سے بہتر جامعیت کی مثال اردو میں مشکل سے ہی ملتی ہے۔ دیباچے کا آغاز یوں ہوتا ہے:۔

''غنچۂ تبسم'' جناب تمکین کاظمی کے ان مضامین کا مجموعہ ہے جو فکاہات کے سلسلے میں انھوں نے لکھے ہیں۔ چونکہ میں طنزیات اور مزاحیات دونوں کو فکاہات میں شامل کرتا ہوں اس لیے میرا مقصود یہ ہے کہ دونوں رنگ کے مضامین اس مجموعے میں نظر آتے ہیں۔''

نیاز صاحب خود ہی بتائیں کہ ''ان مضامین کا مجموعہ ہے جو فکاہات کے سلسلے میں انھوں نے لکھے ہیں۔'' کتنا بھونڈا فقرہ ہے ''سلسلے'' کا لفظ جس طرح سے انھوں نے استعمال کیا ہے انتہا درجے کے عجز بیاں کی دلیل ہے۔ ہم اصلاح کے ذمہ دار نہیں لیکن یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتے کہ پہلے فقرے کو یوں لکھنا چاہیے تھا:۔

''غنچۂ تبسم'' جناب تمکین کاظمی کے فکاہی مضامین کا مجموعہ ہے۔''

اور یہ جو طنزیات اور مزاحیات کو فکاہات میں شامل کر کے اتنے بڑے بڑے

Scanned with CamScanner

جمادات سے ہم حیوانات کے سر پھوڑنے کی کوشش فرمائی ہے۔ اس پر ہمیں ایک کہانی یاد آئی۔ علم ریاضی کے ایک پروفیسر اپنی ماما پر ناراض ہوئے۔ دل غصے سے بھرا ہوا تھا لیکن چونکہ کبھی گالی دینے کی عادت نہ تھی اس لیے اظہار ناراضگی کے لیے موزوں الفاظ نہ ملے لیکن ماما کو ڈانٹنا بھی لازم تھا چنانچہ بھنا کر بولے: ''تم بڑی مثلث متساوی الاضلاع ہو۔'' ماما بے چاری دبک کر رہ گئی۔

یہی حال نیاز صاحب کے اس فقرے کا ہے۔ جب انھوں نے نہایت زناٹے سے کہہ دیا کہ میں الف اور بے کو جیم میں شامل کرتا ہوں۔ تو کسی کی اب کیا مجال کہ کچھ بولے۔ نیاز صاحب نے اپنے دماغ پر آنچ بھی نہ آنے دی اور یہاں علم وفضل کا رعب بھی پڑ گیا۔ خود ہی اصطلاحات گھڑیں۔ ان کے مفہوم کو بھی اپنے بطن کے اندر ہی رہنے دیا۔ اور جس میں جس کو جی چاہا شامل کرتے رہے۔ اگلا فقرہ ملاحظہ ہو:۔

''اس وقت یورپ کا کوئی شعبہ علم ایسا نہیں جس میں یہ مخصوص طرز تحریر (یعنی ہیومر) مقبول نہ ہو، خصوصیت کے ساتھ تنقید، کہ اس کی تکمیل ہی نہیں ہوسکتی جب تک اس میں ظرافت کا گہرا رنگ شامل نہ ہو۔''

(کیوں حضرت یہ یورپ کا ذکر بھی اسی رعب ڈالے کے سلسلے میں کر گئے؟) اگر علم کے لفظ کا استعمال نیاز صاحب نے غلط نہیں کیا تو یقیناً فلسفہ، ریاضی، علم حیوانات، علم نباتات، کیمیا، جغرافیہ، طبیعات سبھی چیزیں شامل ہیں۔ خدا جانے نیاز صاحب کو ان علوم کی کون سی ایسی کتابیں دستیاب ہوئی ہیں جو لطیفوں اور چٹکلوں سے بھری پڑی ہیں۔ باقی رہی تنقید۔ نیاز صاحب کا ارشاد ہے کہ ظرافت کے بغیر اس کی تکمیل ہی ناممکن ہے گویا اگر ایک بھی قابل قدر نقاد ہم انہیں ایسا بتا دیں جو ظرافت سے عاری ہو تو ان کا یہ دعوے پوچ ثابت ہو جائے گا۔ چونکہ نیاز صاحب کا فقرہ ''اس وقت'' سے شروع ہوتا ہے اسلئے ہم صرف دور حاضر اور اختصار کی غرض سے صرف انگریزی کے نقادوں کو پیش نظر رکھیں گے ان میں سے ٹی ایس ایلیٹ، ورجینا وولف، کیتھرین منسفیلڈ، مڈلٹن مرے، پروفیسر گیرڈ، ولسن نائٹ وغیرہم کی تصانیف خاص طور پر مستند مانی جاتی ہیں۔ اگر نیاز صاحب ان ناموں سے آشنا ہیں تو وہ فرمائیں کہ ان میں سے کون مزاحیہ نگار ہے؟ یہ فہرست ادبی نقادوں کی

Scanned with CamScanner

تھی۔ لیکن نیاز صاحب کی مراد شاید سوشل نقادوں سے ہے۔ ایچ جی ویلز نے موجودہ سوسائٹی کی تنقید میں بیسیوں کتابیں لکھ ڈالیں۔ معدودے چند کو چھوڑ کر باقی کسی میں ظرافت کا گہرا کیا ہلکا سا رنگ بھی نہیں پایا جاتا۔ ارل برٹرنڈ رسل جو دنیا کے مشہور فلاسفروں میں سے ہے اور جس نے موجودہ سوسائٹی پر کئی پہلوؤں سے نکتہ چینی کی ہے۔ بھولے سے بھی کبھی مزاحیات میں قدم نہیں رکھتا۔ نیاز صاحب نے جو اتنی بڑی بات منہ سے نکال دی اور یورپ کا ہر شعبہ علم اور تنقید اور تنقید کی تکمیل ہر بات میں اپنی ٹانگ اڑا دی تو وہ کن جہال کو اپنے مخاطب بنا رہے تھے؟ ایسی باتیں دوستوں کی صحبت میں کر لینی چاہیں ان کو سپرد قلم کر کے تمام ہندوستان میں ان کی نشر و اشاعت کرنا بھڑوں کے چھتے میں ہاتھ ڈالنا ہے۔

یہ تو نیاز صاحب کے مطالعے کا حال تھا۔ اب ان کی انشاء پردازی کا کمال ملاحظہ ہو، لکھتے ہیں:

''جناب تمکین کاظمی نے حال ہی میں اس رنگ کو اختیار کیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ انکشاف بھی ہوا ہے کہ وہ اس صنفِ ادب (یعنی ظرافت نگاری) پر بھی لکھنے کی قابلیت رکھتے ہیں۔''

یہ ''پر'' آپ نے خوب لگایا۔ مراد یہ تھی کہ تمکین صاحب ہیومر لکھتے ہیں لیکن فقرے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ تمکین صاحب ہیومر پر لکھتے ہیں۔ (یعنی ہیومر پر تنقید و تبصرہ کرتے ہیں) فقرہ بہر حال بھونڈا ہے یعنی اگر نیاز صاحب کے الفاظ میں کم سے کم تغیر و تبدل کر کے اصلاح دی جائے تو یوں ہونا چاہیے تھا۔

''وہ اس صنفِ ادب میں بھی لکھنے کی قابلیت رکھتے ہیں۔''

نہ یہ کہ وہ ''اس صنفِ ادب پر بھی لکھنے کی قابلیت رکھتے ہیں''۔ اس صنفِ ادب ''پر'' لکھنے کی قابلیت تو خدا نے نیاز صاحب کو ہی عطا فرمائی ہے چنانچہ فرماتے ہیں:

''فکاہی مضـ میں کی سب سے بڑی خوبی محاکات اور تجزیہ جذبات کہلاتی ہے۔ سوان دونوں کی اچھی جـ ثالیں اس مجموعہ میں نظر آتی ہیں۔''

دوسرے فقرے میں ''دونوں'' کا لفظ استعمال کرتے ہیں اور پہلے فقرے میں واحد کا

صیغہ۔ بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبی ست۔ نیاز صاحب کا قول ہے کہ ''جو محاورے یا اصطلاحات گہوارے سے کانوں میں پڑے ہیں انکے خلاف اگر کوئی آواز کان میں آ جاتی ہے تو تھوڑی دیر کے لیے سماعت مشوش ہو جاتی ہے۔'' ہم نیاز صاحب کی خدمت میں درخواست کرتے ہیں کہ وہ اپنی شیر خواری کے زمانے کو یاد کریں پھر اس فقرے کو پڑھیں اور پھر ہمیں بتائیں کہ ان کی سماعت کو تشویش محسوس ہوتی ہے یا ہر طرح سے خیریت معلوم ہوتی ہے؟ کیا یہاں ''خوبی'' کی بجائے ''خوبیاں'' اور ''ہے'' کی بجائے ''ہیں'' نہ ہونا چاہیے؟

لیکن اس بات کو جانے دیجئے۔ یہ زبان کا مسئلہ ہے، اس میں ان اہل زبان ہی کو آپس میں نبٹنے دیجئے جو صبح و شام اپنی زبان دانی کا ڈھول بجاتے رہتے ہیں۔ فقرے کے مفہوم پر غور کیجئے۔ نیاز صاحب نفسیات کا ایک مسئلہ بیان کر گئے ہیں اور کمال یہ ہے کہ بغیر سوچے سمجھے بیان کر گئے ہیں۔ کس بھول پن سے فرماتے ہیں کہ ''فکاہی مضامین کی بڑی خوبی محاکات اور تجزیہ کہلاتی ہے۔'' (یہ ''کہلاتی ہے'' کی بھی ایک ہی کہی، یہ نہ بتایا کہ کون کہتا ہے۔ بس کہہ دیا کہ کہلاتی ہے خود بھی ذمہ داری سے سبکدوش ہو گئے اور اس اجمال سے اثر بھی پیدا کر لیا کہ گویا ہم نے بڑے بڑے اہل الرائے کے خیالات کا نچوڑ پیش کر دیا ہے۔ اب ہم تم ان پڑھ لوگوں کے سامنے کس کس فلاسفر کا نام لیں تمھارے لیے اتنا کافی ہے کہ کہلاتی ہے۔) افسوس نیاز صاحب نے یہ نہ بتایا کہ فکاہی مضامین کی بڑی بڑی خوبیوں کی تخصیص انھوں نے کیسے کر لی؟ نہ انھوں نے کوئی مثال پیش کی ہے نہ دلیل اور بات اس دھڑلے سے کی ہے کہ گویا چلتے چلتے فن تنقید کی شاہراہ پر ایک سنگ میل ہی تو نصب کر گئے ہیں۔ ایسی بے سر و پا بات کی تردید کوئی کسی طرح کرے؟ البتہ اگر نیاز صاحب کبھی اس موضوع پر کوئی عالمانہ مضمون لکھیں اور اس میں اس دعوے کو سچ ثابت کرنے کی کوشش کریں تو انشاء اللہ بشرط فرصت اس کا جواب ضرور لکھا جائے گا۔ اتنا ہم ان سے کہے دیتے ہیں کہ وہ اس قسم کا مضمون لکھنے سے پیشتر برگسوں کی کتاب موسوم بہ ''خندہ'' یا میریڈتھ کا مضمون ضرور کسی سے پڑھ لیں۔ کہ ان سے بہتر اس موضوع پر کم لوگوں نے لکھا ہے۔ حیرت ہے کہ نیاز صاحب ''یورپ کے ہر شعبہء علم'' کو جانتے ہوئے بھی ان کتابوں سے ابھی تک واقف

Scanned with CamScanner

نہیں۔ یہ ہم نے اس لیے فرض کرلیا کہ اگر انھوں نے ان دو مصنفوں کا مطالعہ کیا ہوتا تو کم از کم ایسی بہکی بہکی باتیں نہ کرتے۔ ہم اور ہم جیسے کئی نو مشق ابھی مدرسوں کی ابتدائی جماعتوں میں تعلیم پا رہے تھے کہ نیاز صاحب کا آفتاب شہرت نصف النہار پر تھا لیکن افسوس کہ اس کہنہ مشقی کے مقابلے میں انہیں اپنی ذمہ داری کا احساس بہت کم ہے۔ جن موضوع پر وہ قلم اٹھاتے ہیں ان کا دائرہ ماشاء اللہ روز بروز وسیع ہوتا جا رہا ہے اگر ان کے شوق انشاء پردازی کے ساتھ ساتھ ان کا علم بھی وسیع ہوتا رہتا یا کم از کم اگر وہ اپنے شوق کی جولانیوں کو اپنے دائرۂ علم تک ہی محدود رکھتے تو بہت بہتر ہوتا۔

''تاثر'' مولانا احسن مارہروی کے زور قلم کا نتیجہ ہے۔ اس دیباچے میں صرف ایک ہی خوبی ہے کہ یہ مختصر ہے۔ شروع میں علم الاصوات کے ایک نہایت ہی سہل اور پیش پا افتادہ مسئلے کو (کہ لہجہ بدلے تو معنی بھی بدل جاتے ہیں) بڑے طمطراق کے ساتھ گلے کی رگیں پھلا پھلا کر اور ایک دو تین چار نمبر دے کر بیان کیا ہے۔ اور سیدھی سادی بات کو یوں الجھایا ہے کہ آشفتہ بیانی کو ہمیشہ کے لیے احسن مارہروی کا مرادن بنا دیا ہے۔ اما بعد اس مسئلے سے جو نتیجہ اخذ کیا ہے۔ وہ ہم انہیں کے الفاظ میں دہرائے دیتے ہیں (قارئین سے درخواست ہے کہ مندرجہ ذیل فقرے کو از حد غور سے پڑھیں)

''غرض یہ ہے کہ ہر زبان اپنے مراتب تربیت میں مختلف نوعیتیں رکھتی ہے اور اس کی تدریجی حالت عام تصنیف و تالیف، سیاسی لکچر، ہندی مواعظ، اور روز مرہ بات چیت میں ایک دوسرے سے جداگانہ نظر آتی ہے۔ ان سب تنوعات کے بعد تقریر و تحریر کی متانت و ظرافت ایک نوعیت خاص ظاہر کرتی ہے جو ہر ادبی زبان میں تفنن طبع کے لیے ضروری اور جزو لاینفک ہیں۔''

احسن صاحب علی گڑھ میں پروفیسر ادبیات ہیں۔ علی گڑھ میں نکتہ رس، قابل، ذہین اور زبان دان حضرات کی کمی نہیں۔ خدا کے لیے ان میں سے کوئی صاحب اس کا غانی زبان کا اردو میں ترجمہ کر کے ہمیں اس کا مطلب سمجھا دیں۔ ان دو فقروں میں صرف اور نحو کی کئی غلطیاں ہیں۔ کئی الفاظ کا استعمال معنوی اعتبار سے غلط ہے لیکن اس کو گنوانے سے کیا فائدہ؟ تمکین صاحب خود ہی فرمائیں کہ کیا وہ فقرے کا مفہوم سمجھتے ہیں اور اگر سمجھتے ہیں

Scanned with CamScanner

تو کیا انھوں نے خود ہی سمجھ لیا تھا یا کسی جوتشی سے اس کے معنی پوچھے ہیں۔ کیا سلاست، شگفتگی اور روانی اسی کا نام ہے؟ بہت ممکن ہے کہ ادبیات کے پروفیسر ایسی زبان لکھتے ہوں بہرحال احسن صاحب کی پروفیسریت کے سامنے آ کر ہر فقرہ اس زور سے زانوئے ادب تہ کرتا ہے کہ مطلب تو پچک کر باہر نکل جاتا ہے اور لفظوں میں گٹے پڑ جاتے ہیں۔ اسی انداز کے ایک دو صفحے لکھ کر پروفیسر صاحب نے دیباچے کا خاتمہ ایک شعر پر کیا ہے:

ہے غنچۂ تبسم تمکین کاظمی
ایسا مذاق جس میں متانت ہے لازمی

جس طرح احسن صاحب پروفیسر ادبیات کے دیباچے میں صرف ایک ہی خوبی ہے کہ مختصر ہے، اسی طرح احسن تلمیذ حضرت داغ کے شعر میں صرف ایک ہی خوبی ہے کہ تقطیع سے نہیں گرتا ورنہ کیا دیباچہ اور کیا شعر؟ کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجا نست۔ احسن صاحب سے ہم اور تو کیا کہیں، صرف اتنا عرض کرتے ہیں کہ اگر لازمی کا لفظ آنا ایسا ہی لازمی تھا تو کاظمی کو کازمی تو لکھ لیا ہوتا کہ اس سے شعر کی حیثیت میں کوئی فرق نہ آتا۔

دیباچہ نمبر 3 ملا رموزی صاحب کا لکھا ہوا ہے۔ ملا رموزی بھی تمکین صاحب کی طرح اپنے نام کے ساتھ ایم۔ آر۔ اے۔ ایس (لندن) ضرور لکھتے ہیں۔ حالانکہ وہ جانتے ہیں کہ یہ کوئی علمی سند نہیں محض چندہ دیتے رہنے کی علامت ہے یعنی اگر ہندوستان میں افلاس نہ ہو تو بھیل، گونڈ تک سب ایم۔ آر۔ اے۔ ایس ہو سکتے ہیں۔ اہل دانش کے نزدیک اس کی وقعت تو آر۔ ایس۔ وی۔ پی سے بھی کم ہے اور پھر یہ لوگ ایم۔ آر۔ اے۔ ایس کے بعد خطوط وحدانی کے اندر لندن اس التزام سے لکھتے ہیں گویا خاص جارج پنجم کے دست مبارک سے سند پائی ہے۔ ان سے ہماری درخواست ہے کہ ابلہ فریبی کا یہ شیوہ ترک کر دیں اور نئے سال سے اپنے نام کے ساتھ یہ بے معنی حروف لکھنا چھوڑ دیں۔ ایم۔ آر۔ اے۔ ایس (لندن) لکھنے سے تو ''میٹرک (شکارپور)'' لکھنا زیادہ قدر افزائی کا موجب ہوگا۔

ملا رموزی صاحب کا دیباچہ بھی اسی بے ربطی کا آئینہ ہے جس کا اظہار انھوں نے اپنی لاہور والی تقریر میں کیا تھا۔ نیاز صاحب کی طرح ملا رموزی صاحب نے بھی ظرافت

Scanned with CamScanner

نگاری پر افکار عالیہ کا اظہار کیا ہے۔ فرماتے ہیں:۔

''ظریف تحریر وہ جو پڑھنے والے کو اس موقع پر ہنسا دے جہاں ہنسنے کے لیے اس کا دل نہ چاہتا ہو اور ظریف وہ جو حد سے سوا ہنسی پیدا کرنے والی تحریر لکھتا چلا جائے اور یہ نہ سمجھے کہ میں ظریف تحریر لکھ رہا ہوں۔''

ماشاء اللہ کیا حقائق بیان کیے جناب نے! گویا ظریف تحریر وہ ہے جو پڑھنے والے کو ہنسا دے۔ (یہ نکتہ ابتدائے آفرینش سے آج تک کتم عدم میں انتظار کر رہا تھا کہ بیسویں صدی میں ایک ملا رموزی پیدا ہوں گے جو اسے معرض ظہور میں لائیں گے) ظریف وہ ہے جس کی تحریر پر ہنسی تو آئے لیکن وہ یہ نہ سمجھے کہ میں ہنسا رہا ہوں اگر یہ صحیح ہے تو ہر بڑے سے بڑا بے وقوف، ہر نادان بچہ، ہر غلط سلط اردو بولنے والا انگریز ظریف ہے۔ کیونکہ ان لوگوں کو اس بات کا احساس بھی نہیں ہوتا کہ ہم ہنسا رہے ہیں اور اگر ان کی باتیں بعینہٖ لکھ لی جائیں تو ہنسی کا سامان بھی فراہم ہو جاتا ہے۔ ملا رموزی دراصل کہنا کچھ اور چاہتے تھے منہ سے نکل کچھ گیا۔ (بسیار نویسوں میں یہ نقص اکثر پایا جاتا ہے) مطلب ان کا یہ تھا کہ ظریف وہ ہے جس کی تحریر پر ہنسی تو آئے لیکن اس میں ہنسانے کی کوشش نمایاں طور پر ظاہر نہ ہو۔ یہ معیار ایک حد تک صحیح ہے لیکن افسوس کہ ملا رموزی خود اس معیار پر پورے نہیں اترتے۔ دیباچے کا پہلا ہی فقرہ پڑھیے۔

''اگر کنوئیں کے برابر گہری اور تالاب کے برابر چوڑی نظر سے دیکھا جائے تو۔۔۔۔''

اخلاق کا تقاضا یہی ہے کہ ہم اس فقرے کو ظریفانہ فقرہ سمجھ کر ایک قہقہہ لگائیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ ہمارے اخلاق کی بہت بڑی آزمائش ہے۔

ملا رموزی صاحب بہت لکھنے کو انشا پردازی کا سب سے بڑا کمال سمجھتے ہیں چنانچہ اسی لیے اپنے اور تمکین صاحب اور سالک صاحب کے مداح ہیں فرماتے ہیں:

''ہم تو مولوی تمکین کاظمی کی مضمون نگاری کے قائل ہوئے تو اسی لیے کہ انہیں جب دیکھا یہی کہ بس لکھ رہے ہیں اور چھپوا رہے ہیں۔''

ملا رموزی صاحب نے خود بھی مدت سے یہی شیوہ اختیار کر لیا ہے کہ بس لکھ رہے

ہیں اور چھپوا رہے ہیں۔ اس سے حضرت ضیاء الملک کی نظر انتخاب بہت کمزور ہو گئی ہے جب مضمون نگاری کا معراج یہی فرض کر لیا جائے کہ انسان روزانہ دو تین من مضمون لکھ ڈالے تو وزن پورا کرنے کے لیے ادھر ادھر کی بے ربط باتیں کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔

ملا رموزی صاحب نے اس دیباچے میں کئی جگہ بد ذوقی کا ثبوت دیا ہے لیکن چونکہ انھوں نے دیباچہ ظریفانہ رنگ میں لکھنے کی کوشش کی ہے اس لیے ہم ایسی باتوں کو مذاق سمجھ کر ان سے درگزر کرتے ہیں۔ البتہ ایک بد ذوقی ایسی ہے کہ عذر ظرافت بھی اسے اپنے دامن میں پناہ نہیں دے سکتا۔ انھوں نے سہا صاحب کا ذکر جن الفاظ میں کیا ہے حد درجہ قابل نفریں ہے۔ کسی شخص کے جسمانی نقائص کی ہنسی اڑانا اور وہ بھی ایک کتاب کے صفحے پر کسی مہذب طبقے میں جائز نہیں۔ یہی بات ہے کہ کل کو آپ اندھوں اور کانوں اور لولوں اور لنگڑوں کی بھی ہنسی اڑائیں گے اور اپنی ظرافت نگاری پر فخر کریں گے۔ یہ ظرافت جہلا کی ظرافت ہے۔ شرفا کے لیے اور بے شمار باتیں ہنسنے اور طنز کرنے کو موجود ہیں۔ ان پر طبع آزمائی کیجئے۔ فاضل الٰہیات کو کم از کم اخلاقیات سے تو واقف ہونا چاہیے۔

چونکہ یہ دیباچہ رموزی صاحب نے ظرافت آمیز رنگ میں لکھا ہے اس لیے تمکین صاحب کو خیال ہوا کہ ہم بھلا کیوں پیچھے رہ جائیں۔ جہاں جہاں رموزی صاحب نے کوئی مذاق کی بات کی وہیں آپ بھی نیچے ایک نوٹ دے کر دنیا کو یاد دلائے گئے کہ اس ہنسی مذاق میں کہیں ہمیں نہ بھول جائیے۔ ملا صاحب ظرافت نگار سہی۔ لیکن کتاب تو بہر حال ہماری ہے۔ ملا رموزی نے کہا۔ ''ہمیں اس سے کوئی بحث نہیں کہ تمکین صاحب کے اندر مہمان نوازی کی صلاحیت ہے یا نہیں۔'' آپ نے اس پر نوٹ چڑھایا کہ ''قطعاً صلاحیت نہیں ورنہ آپ کو حیدر آباد بلاتا۔'' (سخن سنج لوٹ لوٹ گئے! ہا ہا ہا)۔ ملا صاحب نے کہا: ''آپ شیروانی کیوں پہنتے ہیں اور کوٹ سے کیوں نفرت ہے؟'' آپ نے فوراً خفی قلم سے جواب دیا کہ ''کبھی کبھی کوٹ پتلون بھی پہنتا ہوں'' (ہاہاہا) ملا صاحب نے کہا: ''ان مضامین کو حاصل کر کے دوزخ کی آگ سے محفوظ ہو جائیے۔'' آپ نے نوٹ ایزاد کیا کہ مسلمانوں عبرت حاصل کرو۔ (ہاہاہا) ملا صاحب نے کہا۔ اللہ انہیں منصب دار بنا دے۔ آپ نے جھٹ تصحیح کی کہ ''آپ کی دعا سے منصب تو ہمیں اب بھی ہے'' (غیر مرفہ الحال

Scanned with CamScanner

لوگ فوراً مرعوب ہو گئے)۔ سبحان اللہ کیا ادبی پھلجڑیاں ہیں۔

''تقریب'' کے لکھنے والے مولوی عبدالمنعم صاحب سعیدی بھی تمکین صاحب اور ملار موزی کی طرح بہ بانگ دہل ایم۔ آر۔ اے۔ ایس (لندن) ہیں۔ ان میں صراحۃً انانیت باقی دیباچہ نویسوں کے مقابلے میں کم ہے لیکن کنایتہً ادعائے علم میں یہ بھی ویسے ہی بلند آہنگ ہیں۔ زور قلم خودنمائی کی بہ نسبت دوست نوازی میں زیادہ صرف کیا ہے تاہم ایک تمکین صاحب کی عظمت ثابت کرنے کے لیے وکٹر ہیوگو، ہربرٹ ایلس، میتھیو آرنلڈ، گاران رسکن، لنکن اور ایمرسن کے اقوال نقل کر کے ان مشاہیر کو مفت میں رسوا کیا اور اپنے دوست کو نہایت نیک نیتی کے ساتھ مضحکہ انگیز بنا دیا۔ اقتباسات کے نقل کرنے میں سعیدی صاحب کو خاص ملکہ حاصل ہے۔ میتھیو آرنلڈ کا قول نقل کیا تو وہ غلط (اور اس کے معنی بھی غلط سمجھے) اور لنکن کا قول نقل کیا تو وہ غلط۔۔۔۔

احسن مارہروی صاحب کی طرح سعیدی صاحب کا مذاق شعر بھی قابل ذکر ہے۔ غالب کا ایک مصرعہ نقل کیا کہ ''ہر بوالہوس نے حسن پرستی شعار کی'' تو ''حسن پرستی'' کو ''عشق پرستی'' بنا دیا اس کے علاوہ تین شعروں کو زینتِ کلام بنایا ہے پہلا شعر یہ ہے۔۔۔

بتو شاباش کیا کہنا ترقی اس کو کہتے ہیں
نہ ترشے تھے تو پتھر تھے جو ترشے تو خدا ٹھہرے

دوسرا مصرعہ تو خیر پھر بھی گزارے کے قابل ہیں لیکن پہلے مصرعے میں جیسے بیلچوں سے بھرتی کی گئی ہے دوسرا شعر ملاحظہ ہو۔۔۔۔

زمانہ ایک طرح پر کبھی نہیں رہتا
اسی کو اہل جہاں انقلاب کہتے ہیں

اگر سعیدی صاحب کو اسی پائے کے اشعار یاد رکھنے اور دہرانے کا شوق ہے تو مندرجہ ذیل شعر بھی نوٹ کر لیں کسی اور دیباچے میں کام آئے گا۔

ابھی سفید تھے بال اور ابھی سیاہ ہوئے
اسی کو لوگ عموماً خضاب کہتے ہیں!

تیسرا شعر البتہ اچھا ہے اور اس کے اچھا ہونے کی وجہ سے سعیدی صاحب کچھ ایسے

Scanned with CamScanner

تذبذب میں پڑ گئے کہ انھوں نے اس کے نیچے جھٹ قوسین میں اقبال کا نام لکھ دیا تا کہ پڑھنے والے سعیدی صاحب کو اس سے بری الذمہ سمجھیں۔

اس دیباچے کے پہلے حصے میں تمکین صاحب کے خاندانی حالات بالوضاحت بیان کیے گئے ہیں۔ ہم تمکین صاحب کے بزرگوں کو حد درجہ قابل احترام سمجھتے ہیں اور ان کی شان میں گستاخی کا ایک لفظ بھی منہ سے نکالنا پرلے درجے کی شقاوت۔ لیکن انہی کے احترام کی وجہ سے یہ کہنا ضروری سمجھتے ہیں کہ اگر یہ حصہ حذف کر دیا جاتا تو بہتر تھا۔ آخر اولاد کے گناہوں کی سزا آباؤ اجداد کیوں بھگتیں اور پھر اچھی بات بھی بے محل کی جائے تو بری معلوم ہوتی ہے۔ تمکین صاحب آخر کہاں کے اتنے بڑے مصنف ہیں اور ان کی تحریرات ایسی بھی کیا خیال انگیز ہیں کہ پڑھنے والے ان کے خاندانی حالات بالوضاحت معلوم کرنے کے لیے بیقرار ہو جائیں۔

دوسرے حصہ میں سعیدی صاحب نے اردو کے مزاحیہ نگاروں پر فرداً فرداً تنقید کرنے کی کوشش فرمائی ہے۔ سعیدی صاحب کے پاس خیالات کی قلت ہے۔ اسی لیے بیچارے کسی کی تعریف کرتے وقت بے دست و پا ہو جاتے ہیں۔ تنقید کے تین چار نمونے ملاحظہ ہوں:۔

1۔ اس فن کو اردو میں مستقل طور پر سب سے پہلے منشی سجاد حیدر نے اختیار کیا اور عمدگی سے لکھتے رہے۔

2۔ پطرس نے لائٹ ہیومر لکھا اور خوب لکھا۔

3۔ فرحت اللہ بیگ نے بھی لائٹ ہیومر لکھنا شروع کیا اور خوب لکھا۔

4۔ امتیاز علی تاج صاحب نے بھی "چچا چھکن" کا سلسلہ شروع کیا اور خوب لکھنے لگے۔

اس کے بعد ہم سوائے اس کے اور کیا کہیں کہ حضرت آپ نے بھی تنقید کا سلسلہ شروع کیا اور خوب لکھا لیکن باوجود اس کم مائیگی کے (یا شاید اسی کم مائیگی کی وجہ سے) معمولی سی بات کو بھی عالمانہ انداز میں بیان فرماتے ہیں مثلاً:

"اردو ادبیات کا مطالعہ گہری نظر سے کیجئے تو معلوم ہوگا کہ اس فن کو اردو میں مستقل طور پر سب سے پہلے منشی سجاد حیدر نے اختیار کیا۔"

Scanned with CamScanner

اتنی ذرا سی بات کے معلوم کرنے کے لیے جس سے ہندوستان کا ہر پڑھا لکھا بچہ واقف ہے اردو ادبیات کا گہری نظر سے مطالعہ کرنا، کوہ کندن و کاہ برآوردن کے مصداق ہے۔ یہ شغل سعیدی صاحب ہی کو مبارک ہو، ایک اور جگہ حق دوستی یوں ادا کیا ہے:۔

''بہر حال میں خوش ہوں کہ آج وہ چیز پیش کر رہا ہوں جو ہر حیثیت سے کامل ہے۔''

ذکر تمکین صاحبَ کے مجموعہء مضامین کا ہے لیکن فقرہ وہ استعمال کیا ہے جو اکثر پیغمبر بھی اپنے صحیفوں کے متعلق استعمال کرتے ہوئے متامل ہوں۔ سعیدی صاحب شاید کامل کے معنی نہیں جانتے انھوں نے اسے بھی ''خوب'' اور ''عمدہ'' کی قسم کا ایک معمولی لفظ سمجھ لیا ہے۔ آخر میں سعیدی صاحب نے تمکین صاحب کے ساتھ حسد اور بغض رکھنے والوں کے خلاف جن کی تعداد بہ قول ان کے بہت کافی ہوگئی ہے۔ بہت کچھ زہر اگلا ہے چونکہ ہم ان حاسدوں کے نام تک سے واقف نہیں نہ ہماری سمجھ میں آتا ہے کہ کوئی تمکین صاحب کیساتھ رشک اور حسد اور بغض رکھے تو کیوں؟ اس لیے ہمیں سعیدی صاحب کے زور دار فقروں میں بجز چڑ چڑے پن اور سوئے ہضم کے اور کچھ نظر نہیں آتا مگر ہمیں سعیدی صاحب سے پورا پورا اتفاق ہے کہ جو لوگ تمکین صاحب سے رشک کرتے ہیں ان کی دماغی حالت واقعی قابل افسوس ہے۔

خاتمے پر ہم نہایت واضح طور پر قارئین کے ذہن نشین کرانا چاہتے ہیں کہ ہمیں ان پانچ حضرات سے معاذ اللہ کوئی ذاتی عناد نہیں۔ عناد کیا معنی ہمیں تو افسوس ہے کہ ہمیں ملاقات تک کا شرف حاصل نہیں۔ لیکن جب یہ پانچوں سوار ایک ساتھ میدان میں اترتے ہیں اور باوجود اپنی زنگ خوردہ تلواروں اور اپنے فرسودہ ساز و سامان کے سمع خراش نعروں کے ساتھ روح ادب اور مذاق سلیم کو دعوت مبارزت دیتے ہیں تو ہر عاقل و بالغ کا فرض ہے کہ اس دعوت کا جواب دے۔ ہماری اپنی رائے ان پانچ انشا پردازوں کی تصنیفات کے متعلق یہ ہے کہ برا بھی لکھتے ہیں اچھا بھی لکھتے ہیں۔ جب ہندوستان میں ادب و انشا کی یہ حالت ہے کہ ہر بھلے برے کی کھپت ہوسکتی ہے تو ہم ان پر کیوں معترض ہوں؟ لیکن جب یہ لوگ تنقید کرنے بیٹھتے ہیں تو ایسی اوٹ پٹانگ باتیں اس وثوق کیساتھ کرتے ہیں کہ ان کی نخوف کے بلبلے میں چھید کرنا ان پر احسان اور اردو خوانوں کے ساتھ نیکی کرنا

Scanned with CamScanner

ہے۔ تمکین صاحب نے ایک کتاب لکھی تھی۔ خاموشی، متانت اور شرافت کے ساتھ اسے بازار میں بیچ دیتے۔ صحیح آرا سے مستفید ہوتے، غلط آرا کو نظر انداز کر دیتے یہ ممکن نہ تھا کہ کم از کم اخلاقاً ہی اکثر پڑھے لکھے لوگ کتاب کی تعریف نہ کرتے۔ لیکن انھوں نے کتاب کیا لکھی ہے کتاب کا جلوس نکالا ہے۔ ایک صاحب ذوق انشا پرداز کو اس قسم کی سوقیانہ حرکات سے گریز واجب ہے۔ دیباچہ نویسوں کی خدمت میں ہماری مودبانہ عرض ہے کہ شملہ بمقدار علم رکھیں۔ چلو بھر پانی میں گز بھر نہ اچھل پڑیں۔ عالم وہی ہے جس کا انداز عمر بھر طالب علمانہ رہے۔ بڑے بڑے دعوے کرنا اور ایک دفعہ قلم سے جو نکل جائے اسے نظر ثانی تک کا محتاج نہ سمجھنا جہالت کی نشانیاں ہیں۔ لنکن کا قول ہے:۔

''تم کچھ لوگوں کو ہمیشہ کے لیے اور سب لوگوں کو تھوڑے عرصہ کے لیے دھوکہ دے سکتے ہو، لیکن سب لوگوں کو ہمیشہ کے لیے بے وقوف نہیں بنا سکتے۔''

ہم جانتے ہیں کہ ہمارے اس مضمون سے فصحائے زیر بحث کو تکلیف بھی ہو گی اور شرم بھی آئے گی۔ اگر شرم تکلیف پر غالب آ گئی تو ہم ان کے جواب سے محروم رہ جائیں گے اگر تکلیف شرم پر غالب آئی تو حیدر آباد، گلبرگ، بھوپال، علی گڑھ اور لکھنؤ میں ''لائیو تو قلم دان'' کی آوازیں بلند ہوں گی۔ گو ہمارا مخلصانہ مشورہ یہی ہے کہ آئیں بائیں شائیں کرنے کی بجائے چپ رہنا بہتر ہے آگے آپ خود سوچ لیجئے۔ ہماری طرف سے خواہ آپ سب حضرات کسی مرکزی مقام پر سر جوڑ کر کوئی جواب مرتب کر لیجئے خواہ الگ الگ نبرد آزمائی کیجئے ہم ہر طرح سے تیار ہیں۔ ہم تو بلکہ آپ سے ''جھانپلزم'' تک کے متوقع ہیں۔

☆

باقی رہا ''غنچۂ تبسم''۔ یہ کتاب ایک قابل احترام بزرگ کی تصویر سے شروع ہوتی ہے اور ایک ایسے مضمون پر ختم ہوتی ہے جو بازاری فواحشات سے پر ہے۔ اس مضمون میں تمکین صاحب نے جس کوک شاستری ذہنیت کا مظاہرہ کیا ہے اس کے آثار نہ صرف ان کے باقی مضامین میں بلکہ ہندوستان کے اکثر مزاحیہ نگاروں کی تحریرات میں پائے جاتے ہیں۔ ان پر تنقید لکھنا ان کے تعفن کو اور زیادہ پھیلانا ہے۔

سہ ماہی نقوش لاہور۔ پطرس نمبر

Scanned with CamScanner